مسجدِ نبویؐ

جناب شاہ بلیغ الدین صاحب

(۲)

معمارِ حرم اُس زمانے میں مسلمان مظلوم اور غریب تھے۔ اجتماعی عبادت کے مقصد اور میل جول کے لیے ایک مرکزی مقام کی ضرورت کو بہت سادہ طریقے پر پورا کیا گیا۔ اُس وقت صرف دو چیزیں پیش نظر تھیں۔ دھوپ سے بچاؤ ـــــ سکون اور سکوت!!

سرورِ کائنات ؐ نے خود بنفسِ نفیس مسجدِ نبویؐ کا ایک خاکہ سوچا۔ پھر آپؐ نے خدا کا نام لے کر اس کی تعمیر شروع کی۔ سوچیے وہ بھی کیا وقت ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا ایسا برگزیدہ بندہ جس کی عظمت و جلال کے آگے دنیا کے بڑے سے بڑے بادشاہ کی شان و شوکت بھی ہیچ تھی، پتھر اور مٹی ڈھو رہا تھا اور اپنے ہاتھوں سے مسلمانوں کی پہلی عبادت گاہ کی داغ بیل ڈال رہا تھا۔ کبھی دستِ مبارک مٹی میں اٹے ہوتے، کبھی لباسِ مقدس پر داغ دھبے پڑ جاتے۔ اُس وقت مسلمانوں کے پہلے اور دنیا کے سب سے بڑے عمارت ساز (آرکی ٹیکٹ) کی شخصیت نمایاں ہوئی۔ آپ ہی نے سب سے پہلے رہائشی حجرے بھی بنائے اس لیے دینی اور دنیاوی عمارت سازی کی ابتدا اسلام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہوئی۔

پہلے مستطیل اور چوکور نقشے پر مسجد بنائی گئی۔ ہر دیوار خطِ مستقیم پر بنی تھی۔

دیواروں کے زاویے قائمہ تھے اور صفیں سیدھی۔ اسلامی فنِ تعمیر میں ہندسی ترتیب کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلامی فنِ تعمیر میں مسلمانوں کے ایمان اور اعتقادات کی پوری جھلک بھی نمایاں ہے۔ اللہ کے رسولؐ نے ابتدائی تعمیرات میں سادگی میں حسن پیدا کیا۔

ہندسی ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ عقل جذبات پر حاوی ہے۔ دیواریں زاویہ قائمہ پر بنی ہوتی ہیں۔ یعنی اسلامی زندگی میں ہر بات ترتیب اور توازن سے ہوتی ہے۔ خطوط کے سیدھے ہونے کا مطلب نظم وضبط کو بھی ظاہر کرنا ہے اور اس میں مساوات کا درس بھی دیا گیا ہے۔ محمود و ایاز کے لیے ایک ہی صف ہے امام مرکزیں ہوتا ہے۔ صفیں بالکل امام کے پیچھے بنائی جاتی ہیں تاکہ جماعت اپنے امام سے قریب سے قریب تر رہے۔

؎ قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی

مسجد وسیع بنائی گئی تھی۔ صحن بہت کشادہ چھوڑا گیا تھا۔ روشنی اور ہوا کے لیے معقول انتظام کیا گیا تھا۔ وسعت اور کشادگی میں اسلامی عقیدوں کے پھیلاؤ اور خدا کی بندگی، بڑائی اور ہر جگہ موجود ہونے کی طرف واضح اشارہ موجود ہے۔ بہت سے مذہبوں کی عبادت گاہوں میں روشنی کی کم سے کم گنجائش رکھی جاتی ہے۔ اور اندھیرے سے ایک پُر اسرار کیفیت پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمارے عقیدے کی بنیاد نہ خوف پر ہے نہ حیرانی پہ۔ ہر بات واضح اور ہر تصور روشن ہے ـــــ سمجھو، پرکھو اور مانو! زبردستی کا کوئی پھندا گلے میں نہیں۔

بہت سے مذاہب کی عبادت گاہوں کی یہ صورت ہے کہ وہ درختوں کے جھنڈ اور قدرتی مناظر سے دب جاتی ہیں۔ مسجدیں اپنے طرزِ تعمیر سے اِرد گرد کے مظاہر کو دبا لیتی ہیں۔ کیا اِس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ قادرِ مطلق کی ذات سب پر غالب ہے۔ اور اس کے ماننے والے کائنات کو اپنی مٹھی میں دبا لیتے ہیں۔

؎ مومن کی یہ پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق!

مسلمان کا عقیدہ اور مسلمان کا مزاج دونوں ہمارے طرزِ تعمیر میں ظاہر ہوتے ہیں۔

حُسنِ تعمیر مسجدِ نبویؐ کی بنیاد سے لے کر جامع مسجد دمشق کے بننے میں اسّی پچاسی برس کا فرق ہے۔ اِس دَوران میں اسلامی فنِ تعمیر کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد سے مسلمانوں کے طرزِ تعمیر میں دل کشیوں کا اضافہ ہونے لگا۔ مسجدِ نبویؐ کی جو توسیع حضرت عثمانؓ کے زمانے میں ہوئی اس میں یہ فرق واضح ہے۔

حالات بدلے تو سادگی اور سکون کے ابتدائی تصورات کی جگہ مسجدوں کی تعمیر میں طبعی، مذہبی، معاشرتی اور سیاسی ضروریات نے لے لی۔ طبعی ضرورت یہ تھی کہ ایک سکون والی جگہ ہو، جہاں دل لگا کر خدا کی عبادت کی جا سکے ـــ سر پر سایہ ہو ـــ بارش اور ہوا کے جھکڑوں سے بچاؤ رہے۔ مذہبی ضرورت میں سب سے پہلی بات یہ تھی کہ سب کے لیے عبادت کا ایک مرکز ہونا چاہیے۔ ایک ایسی جگہ جہاں مسلمان پہنچیں تو بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہو جائیں۔ پھر سوال یہ تھا کہ اذان کی آواز زیادہ سے زیادہ دُور تک کس طرح پہنچائی جائے۔ امام کی قرأت آخری صفوں تک کس طرح سُنائی دے۔ سمتِ قبلہ کے لیے پتھر کی جگہ کوئی دل آویز نشان ہو۔ خطیب دُور دُور تک دکھائی دے اور اُس کی آواز زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکے۔ اِس غرض کے لیے مینار، محراب اور منبر کا اضافہ ہوا۔ وضو کے لیے حوض بنائے گئے۔ طہارت خانوں کا اضافہ کیا گیا اور بھی کئی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا۔ اصحابِ صُفّہ کی یاد میں مکتب کی گنجائش رکھی گئی۔ اُستادوں اور طالب علموں کے رہنے کے لیے حُجروں کا بھی موقع نکالا گیا۔ یہ ایک بڑی معاشرتی ضرورت بھی تھی۔ سیاسی ضرورت میں شان و شوکت، جمال و جلال کے مظاہروں کا عمل دخل ہو گیا۔ مغلوب قوموں کو یہ احساس دلانا بھی تھا کہ ہماری عبادت گاہیں کیسی خوب صورت اور کیسی باوقار عمارتیں ہیں۔ یہیں سے گنبد، کلس، کمانیں اور طاق، استرکاری

بت کاری، گل کاری اور طغریٰ نمائی کی حسین باریکیاں فنِ تعمیر میں در آئیں۔ دمشق کی جامع مسجد کبیر کو ولید نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر ہی نہایت تکلف سے سجایا تھا۔ مسجدِ اقصیٰ، مسجدِ قرطبہ سے لے کر مسجدِ قوت الاسلام، جامع مسجد دہلی، مکہ مسجد حیدر آباد دکن اور شاہی مسجد لاہور سب میں یہی مصلحت نمایاں ہے۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اقتدار کی شان و شوکت کا مظاہرہ ان مسجدوں کے نکھرے ستھرے امتزاجِ جلال و جمال ہی میں ہے۔ یعنی یہ نظر کو بھانے والی بھی ہیں اور دل پر اثر کرنے والی بھی!

نئی روایات علم و تہذیب مسلمانوں کی میراث ہیں۔ حکم ہے جہاں سے یہ نعمتیں ملیں انہیں سمیٹ لیا جائے۔ اسلامی فنِ تعمیر کے اصول بنانے اور انہیں برتنے میں مسلمانوں نے اس ارشاد کو پوری طرح ذہن میں رکھا۔ ظاہر ہے کہ جس مملکت میں سو برس سے بھی کم عرصے میں عراق، شام، مصر، شمالی افریقہ، ایران، ہسپانیہ، افغانستان، ترکستان اور دریائے سندھ تک کا علاقہ شامل ہو گیا ہو، اسے معاشرت کے کیسے کیسے نئے تقاضوں سے سابقہ نہ پڑا ہوگا۔ اسی لیے مسلمانوں کو جہاں جو اچھی چیز ملی وہ انہوں نے حاصل کر لی۔ اسلامی فنِ تعمیر میں بازنطینی، قبطی، یونانی، ایرانی اور بدھی اثرات ملے جلے نظر آتے ہیں۔ بازنطینی عمارتوں سے مینار، گوتھک عمارتوں سے ستون، بدھی استوپوں سے گنبدوں کا ہیولا، ایرانی اور چینی ترکستانی علاقوں سے منبت کاری۔ جہاں جو چیز اچھی نظر آئی اور فن کو بھائی مسلمانوں نے اپنا لی۔ اس میں کچھ ردّ و بدل کیا۔ اسے بہتر سے بہتر بنایا، اپنے انداز میں ڈھالا اور اپنے فن کا ایک حصہ بنا لیا۔ یہ بات اسلام کے عالمگیر نقطۂ نظر کی حامل ہے۔ اسلام جغرافیائی بندشوں کا قائل نہیں۔ ساری زمین اللہ کی ہے اور مسلمان اس زمین پر اللہ کا نائب ہے۔ اس لیے اسے حق حاصل ہے کہ دنیا کے چاروں کونوں سے چیزوں کو اکٹھا کرے۔ ان سے خود فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے دمشق کی مسجد

بنانے کے لیے وادیٔ سندھ کے راج مزدوروں سے کام لینے میں کوئی ہرج نہ سمجھا۔

نظریۂ حیات عبدالرحمن بن عمر نے بصرہ میں مسجد بنوائی تو کابل سے عمارت ساز آئے اور جب ایبک اور التمش نے مسجد قوت الاسلام کی تعمیر کرنا چاہی اور یہاں بہت سی عمارتیں نہیں تو معمار ایران اور قسطنطنیہ سے بھی بلائے گئے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں کے فنِ تعمیر کا کوئی خاص مزاج نہیں۔ اسلام کی بنیاد اللہ کے ایک اور سب پر غالب ہونے کے عقیدے پر ہے۔ کوئی نسلی تعصب ہے، نہ کسی خطۂ زمین سے کوئی بیر ہے۔ ذہن اور نظر میں وسعت اور پھیلاؤ ہے۔ زندگی میں ترتیب ہے، توازن ہے، مساوات ہے۔ یہی رُوح ہے جو الحمرا سے لے کر مشرق کے آخری گوشے تک مسلمانوں کی بنائی ہوئی عمارتوں میں موجود ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ بحیرۂ روم کی ایک جانب مسلمانوں کی تعمیر میں پتھر زیادہ کام میں لایا گیا ہے اور دوسری طرف اینٹ۔ یہ جغرافیائی ضروریات کا نتیجہ ہے۔ فن کے اعتبار سے یہ مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ انھوں نے پتھر اور اینٹ کا ایک ساتھ استعمال شروع کیا۔ مسلمانوں کی فطرت میں تسخیرِ کائنات کا جوہر ہے۔ یہ نظریۂ حیات مسجدِ نبویؐ کی سادہ اور معمولی عمارت سے لے کر الحمرا کے پُرشکوہ محل تک ہر تعمیری کارنامے میں موجود ہے۔

حضور اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ ہی میں مدینہ منورہ میں نو مسجدیں بن گئی تھیں۔ ان مسجدوں میں بعض پتھر کی تھیں اور ان پتھروں پر گُل بوٹے بنے ہوتے تھے۔

ہجرت کے بعد جب کوئی قبیلہ مسلمان ہوتا تو اپنے لیے ضرور ایک مسجد بنا لیتا۔ عرب کے طول و عرض میں دیکھتے ہی دیکھتے کئی مسجدیں بن گئیں۔ سب سے پہلا جمعہ مسجد بنی سالم بن عوف میں پڑھا گیا۔ یہ اُسی دن کی بات ہے جب آپؐ قُبا سے بنو نجار کے محلے کی طرف تشریف لے جا رہے تھے۔

مسلمانوں نے اپنی ابتدائی فتوحات کے بعد جو پہلی مسجدیں تعمیر کیں وہ کوفہ اور

بصرہ میں بھی۔ یہ دونوں شہر مسلمانوں ہی کے بسائے ہوئے تھے۔ یہ حضرت عمرؓ کا زمانہ تھا۔ کوفے کی تعمیر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کی اور بصرے کی عتبہ بن غزوانؓ نے۔ یہاں سے مسلمانوں کی فنی روایات کا ایک اور قدم آگے بڑھتا ہے۔ شام اور عراق عجم پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو جو وسائل قبضے میں آئے۔ انہیں بہتر سے بہتر طریقے پر استعمال کیا گیا۔ مسجدِ نبویؐ کی چھت کھجور کے تنوں پر قائم کی گئی تھی، لیکن کوفہ کی مسجد میں حیرا کے قدیم شاہی محل کے نفیس سنگِ مرمر کے ستون استعمال کیے گئے تھے۔ مسجد نبوی کی شہ ھ کی تعمیر کی طرح اس مسجد کا نقشہ چوکور طرز کا تھا۔ صحن کشادہ اور اگلا حصہ چھت والا تھا۔

منبر و مینار

کوفہ کی مسجد بنانے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد مصر فتح ہوا۔ یہاں بھی مسلمانوں نے ایک شہر بسایا۔ اس کا نام فُسطاط رکھا۔ یہاں بھی مسجد بنائی گئی۔ ویسی ہی جیسے مسجدِ نبویؐ تھی۔ اور پھر مسلمان جہاں پہنچے وہاں مسجدیں تعمیر ہونے لگیں۔ قبرص فتح ہوا تو یہاں مسجد بنی۔ شمالی افریقہ میں حضرت عُقبہ بن نافع نے ابن اثیر کے بیان کے مطابق ۵۵ھ (مطابق ۶۷۴ عیسوی) میں قیروان بسایا تو یہاں جامع بنائی گئی۔

یوں تو مسجدِ نبویؐ میں ایک منبر تھا لیکن دوسری مسجدوں میں منبروں کا بنایا جانا پہلے پہلے مناسب نہ سمجھا جاتا تھا۔ جب حضرت عمرو ابن العاص نے مصر میں مسجد بنائی تو یہاں منبر نصب کروایا۔ یہ منبر نوبہ کے عیسائی بادشاہ نے بنوا کر تحفے کے طور پر بھیجا تھا۔ اس زمانے سے منبر مسجد کا ایک اہم جزو بن گیا۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ منبر مروان بن محمد کے زمانہ میں ۱۳۲ ہجری (۷۴۹ عیسوی) سے بنائے جانے لگے۔ محراب سب سے پہلے مسلمہ بن مخلدؓ نے امیر معاویہ کے زمانے میں بنوایا۔ اس وقت وہ مصر کے والی تھے۔ انہوں نے مسجد عمرو بن عاص کی توسیع کی تو اسلامی دنیا کا پہلا محراب بنایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ ولید کے دور میں حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ نے مسجد نبویؐ کو پھر سے بنوایا تو اس میں محراب بھی بنوائی۔ انہوں نے ہی پہلی مرتبہ مسجد عمروؓ

مصر میں بنایا گیا۔ امیر معاویہؓ نے ایک مینارہ بنانے کا حکم دیا تھا۔ مسلمہ بن مخلدؓ نے چار مینار بنوائے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ فسطاط کی مسجد میں عمرو بن عاصؓ نے ایک چوکور مینارہ بنوایا تھا۔ جا نماز اور چٹائیوں کا پہلے پہل استعمال بھی مسلمہؓ ہی کا کارنامہ سمجھا جاتا ہے۔

اِس لحاظ سے قاہرہ کی مسجدِ عمروؓ، مسجد نبوی کے بعد فنی روایات کے لحاظ سے سب سے اہم مسجد ہے۔

گنبدِ خضرا مسجد قیروان سے گنبدوں کا رواج شروع ہوا۔ لیکن اُس وقت جب ۵۴ سال بعد ۱۰۵ھ میں پھر سے اُسے تعمیر کیا گیا۔ ورنہ عقبہ بن نافع کی بنائی ہوئی مسجد تو بالکل مسجدِ نبویؐ کے نمونے پر تھی۔

حضرت عمرؓ کے آخری زمانے سے مکے اور مدینے میں بہت سے راج مزدور آ بسے تھے اور نئی نئی عمارتیں بن رہی تھیں۔ کیوں کہ عراقِ عجم اور شام میں مسلمانوں کی مسلسل فتوحات کی وجہ سے اہلِ مدینہ کی معاشی حالت بہت سُدھر گئی تھی۔ اب بہت سے مسلمان ایسے تھے جنھیں بیت المال سے مستقل وظیفے ملا کرتے تھے۔ اس لیے حضرت عثمانؓ کے عہد میں مسجدِ نبویؐ کی توسیع کی گئی تو اینٹ کے ساتھ گارے اور مسالے سے بھی کام لیا گیا۔ پتھر تراشے گئے۔ چھت میں لکڑی کے تختے لگائے گئے اور مسجد کی زیب و زینت کا اہتمام کیا گیا۔

بیت المقدس کا وہ حصہ جو قبۃ الصخراء کہلاتا ہے، اسلامی فنِ تعمیر کی قدیم ترین یادگار ہے جو اِس وقت بھی اپنی اصلی حالت میں موجود ہے۔ مسجدِ قُرطبہ کے ستون دُنیا بھر کی مسجدوں میں سب سے الگ اور نمایاں ہیں۔ انھیں دیکھ کر فوراً عرب کے ریگستانوں میں کھڑے ہوئے کھجوروں کے درختوں کا منظر نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔

خلیفہ ولید نے حضرت عائشہؓ کے حجرے میں جس میں روضۂ اطہر تھا، سنگِ مرمر کا بنوایا۔ اِس میں ساگوان (اعلیٰ درجہ کی لکڑی) بھی استعمال کی گئی۔ ستونوں میں

لوہا اور سیسہ استعمال کیا گیا۔ پھر انہیں صیقل کر کے ان پر سونے کا پانی چڑھا دیا گیا اس طرح مسجد کی شان و شوکت میں بڑا اضافہ ہوا۔ پونے سات سو سال تک روضۂ مقدسہ پر کوئی قبّہ نہیں تھا۔ پہلے پہل لکڑی کا ایک آٹھ پہلو والا قبّہ بنا کر حجرۂ مبارکہ کی چھت پر نصب کیا گیا۔ علامہ سمہودی نے لکھا ہے کہ مما لیک بحریہ کے چھٹے فرمانروا منصور بن قلاودن نے یہ قبّہ ۶۷۸ھ میں بنوایا تھا۔ مسلمانوں نے اسے ناپسند کیا۔ ۸۸۶ھ میں سلطان اشرف تائت بائی نے پہلا گنبد تعمیر کروایا۔ اس وقت اُس پر کوئی رنگ نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُسے سفید ہی رکھا گیا۔ ۹۸۰ھ میں سلطان سلیم ثانی والیٔ قسطنطنیہ نے نیا گنبد بنوایا۔ اس میں رنگین پتھر لگائے گئے۔ ان پر سونے کا کام کیا گیا۔ ۱۲۳۳ھ میں سلطان محمود ثانی والیٔ قسطنطنیہ نے پھر گنبد بنوایا۔ یہ گنبد بھی سفید تھا۔ اور قبّۃ البیضا کہلاتا تھا۔ ۱۲۵۵ھ م ۱۸۳۹ء اس پر سبز رنگ پھیرا گیا اور یہ گنبد خضرا کہلانے لگا۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر کے بارے میں ولید بن عبدالملک کا خط ملتے ہی حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مسجد کی توسیع کے لیے آس پاس کے مکانات حاصل کیے، پھر صالح بن کیسان کو مسجد کے تمام کاموں کی نگرانی سونپ دی۔ آپ کے علاوہ علمائے مدینہ میں حضرت قاسم بن محمد، سالم بن عبداللہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، عبیداللہ بن عبداللہ خارجہ بن زید، عبداللہ بن عبداللہ بن عمرؓ جیسے بزرگ پُرانی عمارت کی جگہ نئی عمارت بنانے میں ان کی ہر طرح مدد کرتے رہے۔

اس زمانے میں ولید نے ایک خط قیصرِ رُوم کو لکھا ___ مطلب تھا ___ مسجد نبوی کی اعلیٰ پیمانے پہ تعمیر کا کام شروع ہو رہا ہے تم سے جو سامان ہو سکے بھجواؤ ___ یہ قیصرِ رُوم کی بڑی خوش قسمتی تھی کہ اس سعادت میں حصّہ لینے کا اُسے موقع مل گیا۔ اُس نے فوراً ایک لاکھ مثقال سونا اور چالیس اُونٹوں پر خوب صورت کام کیے ہوئے پتھر اور گل بُوٹے بنانے کا سامان بھیجا ___ راج مزدوروں کی بھی ایک جماعت بھیجی جس میں علاقہ شام اور مصر کے کوئی سو آدمی

تھے۔ ولید نے کچھ معمار مدائن سے بھی بلوائے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو شاہانِ کسریٰ کے لیے شاندار عمارتیں بناتے تھے۔

ولید کے حکم سے جو تعمیر ہو رہی تھی وہ حضرت عثمانؓ کی توسیع مسجد کے کوئی ۵۷ یا ۶۰ سال بعد کی بات ہے۔ اس مرتبہ پھر پوری مسجد کو ڈھا کر نئے سرے سے بنایا گیا۔ ساتھ ہی اسے کشادہ کر دیا گیا۔ مغرب میں دو کی تین بڑھیں اور مشرق میں تین ستونوں کی جگہ کا اضافہ ہوا۔ صحنِ مسجد میں چودہ چودہ ستونوں کی چار صفیں بنائی گئیں۔ پوری عمارت پتھر کی تھی۔ بنیادوں میں پتھر اور لوہے سے کام لیا گیا۔

مسجد کے بنانے کے لیے کچھ معمار باہر سے آئے مگر معماروں میں بڑی تعداد اُن کی تھی جو حضرت عمرؓ کے آخری زمانے میں مدینہ آکر بس گئے تھے اور یہاں نئی نئی عمارتیں بنا رہے تھے۔

حسن کاری ولید کے دور میں ملک میں کوئی فتنہ اور فساد نہ تھا اور فتوحات کا سلسلہ جاری تھا۔ اس لیے مسجدِ نبویؐ کی بہتر سے بہتر تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا۔ ایک ایک جھاڑ کے بنانے اور سنوارنے کا اہتمام کیا گیا۔ ایسی عمدہ مینا کاری کی گئی کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ صرف ایک طرف کی دیوار پر جو قبلہ رُخ تھی، پینتالیس ہزار اشرفی خرچ آیا۔ مسجد میں ایک فوارہ بنایا گیا۔ معماروں کو دل کھول کر اُجرت دی گئی۔ بہتر سے بہتر کام کرنے کے لیے انہیں بڑے بڑے انعام دیے گئے۔ فرش اور دیواروں میں فسیفسا (ٹائلز) لگائے گئے۔

ویسے حضورؐ اکرم کی زندگی ہی میں مدینہ منورہ میں جو مسجدیں بننے لگی تھیں، ان میں سے بعض میں خوب صورت کام کیے ہوئے پتھر لگائے گئے تھے، لیکن مسجدِ نبویؐ حضرت عثمانؓ کے عہد تک اپنی اصلی اور سادہ حالت ہی میں رہی۔ حضرت عثمانؓ کے عہد میں مسجدِ نبویؐ کی جو تعمیر ہوئی اس میں بھی زیب و زینت کا کچھ بہت زیادہ اہتمام نہ ہو سکا۔ ولید کے سامنے اپنے باپ کی مسجد اقصیٰ کے

گنبد صخرا کی مثال تھی اس لیے اُس نے مسجد نبویؐ کی تعمیر میں زیب و زینت کا ہر ممکن خیال رکھا۔ اور جب بعد میں اس نے دمشق کی مسجد کبیر بنوائی تو اس کا یہ شوقِ اہتمام اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ کوئی تین سال کی مدت میں مسجد نبویؐ کی تعمیر مکمل ہوئی۔

۹۱ ہجری (۷۰۹-۷۱۰ عیسوی) کے دن تھے کہ ولید مدینہ آیا کہ خود ہر چیز کو دیکھ سکے، مسجد میں گھوم پھر کر وہ تفصیل سے ایک ایک چیز دیکھتا اور خوشی کا اظہار کرتا۔ فوارہ اُسے بہت پسند آیا، بولا ـــــ جو لوگ مسجد میں آئیں وہ اس پانی کو استعمال کر سکتے ہیں۔

وہ اپنے ساتھ بہت سی انگیٹھیاں اور خوشبو کے مسالے لے آیا تھا۔ مسجد میں ان کا استعمال شروع ہوا۔ نگرانی کے لیے خدام مقرر کیے گئے اور مسجد کے تکمیل پا جانے کی خوشی میں بہت سا روپیہ اور سونے چاندی کے برتن خیرات ہوئے۔

مردِ قلندر حضرت سعید بن مسیّب بڑے عالم اور بڑے بزرگ تھے۔ مدینے میں ہر کوئی ان کی عزت کرتا تھا۔ آپ ہی تھے جنھوں نے ولید کی ولی عہدی کے لیے بیعت کرنے سے انکار فرما دیا تھا۔ ہشام بن عبدالملک نے آپ پر بڑی زبردستی کی تھی۔ کوڑے پٹوائے گئے۔ قید کیا گیا۔ لیکن آپ نے مان کر ہی نہ دیا۔ عبدالملک کو معلوم ہوا کہ حضرت سعید بن مسیّب جیسے عالمِ دین پر بیعت کے لیے یہ کچھ گذری تو وہ ہشام پر سخت ناراض ہوئے تھے اور اس نے اُن سے معافی مانگ لی تھی۔

مسجد نبویؐ میں ہر روز کچھ وقت گزارنا ان کا معمول تھا۔ اتفاق دیکھیے کہ جب ولید مسجد میں داخل ہوا تو وہ اپنی جگہ عبادت میں مصروف تھے۔ ولید کے آنے سے پہلے مسجد میں جتنے لوگ تھے انھیں نکال دیا گیا۔ لیکن سپاہیوں کو جرات نہ ہوئی کہ حضرت سعید بن مسیّب سے کچھ کہہ سکیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز چاہتے تھے کہ ولید اِدھر اُدھر مسجد دیکھتا رہے اور اس کی نظر حضرت سعید بن مسیّب پر نہ پڑے۔ ورنہ نہ جانے کیا مصیبت کھڑی ہو جائے۔ اتنے میں ایک شخص آپ کے پاس پہنچا ـــــ بولا ـــــ آپ کو معلوم ہے کہ امیرالمومنین ولید بن عبدالملک مسجد دیکھنے